مباحثہ ومکالمہ

محمد ظفر اقبال*

مادّی ترقی کا لازمہ: واہمہ یا حقیقت؟ ـــــ چند توضیحات

مئی ۲۰۱۴ء میں وطن عزیز کے مؤقر جریدے ماہنامہ الشریعہ [گوجرانوالہ] میں راقم کا ایک مضمون ''مادی ترقی کا لازمہ ـــــ واہمہ یا حقیقت؟'' شائع ہوا۔[۱] یہ مضمون کسی تحکمانہ جذبے کے زیر اثر نہیں لکھا گیا تھا، بلکہ اس کا واحد مقصد عصر حاضر میں مادی ترقی کے حوالے سے ہم ایسے طالب العلموں کے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات و اشکالات کے جوابات کی جستجو تھی۔ راقم نے جو کچھ تھوڑا بہت مطالعہ کیا تھا، اس کے مطابق جو سوالات اور اشکالات قابل جواب معلوم ہوئے وہ اہل علم کی خدمت میں اس خیال سے پیش کر دیئے تھے کہ ان کے گراں قدر افکار اس مبحث کو آگے بڑھانے اور خلجان کی رفع کرنے میں ممد و معاون ہوں گے۔ مضمون کی اشاعت کے بعد دو ماہ تک جب اس سلسلے میں کوئی بحث و گفتگو سامنے نہ آئی تو راقم کو یہ احساس ہوا کہ شاید مضمون میں کوئی ایسی بات ہی نہ ہوگی جو عصر حاضر کے سنجیدہ علمی و فکری اذہان کو اس موضوع پر گفتگو کے لیے آمادہ و تیار کر سکے۔ تآنکہ اگست ۲۰۱۴ء میں راقم کے مضمون پر جناب حافظ کاظم عثمان صاحب کا ایک تبصرہ شائع ہوا۔[۲] یہ امر انتہائی خوش کن ہے کہ حافظ صاحب نے اس مبحث کو آگے بڑھانے میں اپنی معلومات و مطالعے کی حد تک حصہ لیا۔

حافظ صاحب نے ابتداً ہی اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اسے ''قابل ستائش'' کی سند سے نوازا اور مغربی عقائد و نظریات کے متعلق راقم کے مؤقف کی ''مضبوطی'' کا بھی اعتراف فرمایا[۳] ـــــ راقم نے حافظ صاحب کا مضمون بغور پڑھا۔ حافظ صاحب نے راقم کے پیش کردہ مؤقف پر تو کوئی تنقید نہیں فرمائی البتہ بعض عبارات اور تجزیوں پر اپنا نقطۂ نظر بیان فرمایا ہے۔ ان ہی عبارات کی توضیح اور تجزیوں کی تحلیل میں یہ سطور تحریر کی جا رہی ہیں۔

مسلمانوں کا مادی زوال: اصل مسئلہ:

راقم نے اپنے مضمون کی ابتدا ہی میں لکھا تھا کہ ''امر واقعہ ہے کہ مسلمان آج مادی ترقی میں بہت پیچھے ہیں''۔[۴] حافظ صاحب نے اصولی طور پر تو مسلمانوں کی ''مغلوبیت اور پسپائی'' کو تسلیم کر لیا[۵] مغلوبیت اور پسپائی بالعموم دنیاوی

* zafar.q.iqbal@gmail.com

شکست اور مادی زوال ہی کو کہا جاتا ہے ـــــ آگے چل کر حافظ صاحب نے یہ مؤقف اختیار فرمایا ہے کہ مادی ترقی میں پیچھے ہونا کوئی پریشان کن مسئلہ نہیں ہے ـــــ حافظ صاحب کا یہ تجزیہ فی الاصل راقم کے سابقہ مضمون کے آخری حصے میں پیش کیے گئے سوالات کے جوابات کی اپنی سی ایک کوشش ہے جو اختلاف کے باوصف قابل قدر ہے۔

اسی بحث میں حافظ صاحب نے طبقہ اشرافیہ [upper class] کے حوالے سے C. Wright Mills کا جو اقتباس درج فرمایا ہے، وہ اسلامی تاریخ کے ضمن میں بالکل ایک اجنبی حوالہ ہے۔ اسلامی تاریخ میں شرف وفضیلت کی بنیاد ''تقویٰ'' ہے نہ کہ مال و اسباب کی کثرت۔ بلکہ اٹھارویں صدی سے قبل تک قدیم معاشروں میں بھی بڑے لوگ سادگی، فقر وتنگی کو حکمت کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔

مسلمان: چار ادوار میں بیک وقت تقسیم: مخمصے کی اصل وجہ:

راقم نے مسلمانوں کی بہ یک وقت چار ادوار میں تقسیم پر ایک تجزیہ پیش کیا تھا۔ حافظ صاحب نے اس پر تحریر فرمایا کہ ''ان چار ادوار کی نشان دہی محترم جناب ڈاکٹر عبدالوہاب سوری صاحب نے اپنے ایک مضمون میں فرمائی ہے...... حیرت ہے کہ اس مضمون کا حوالہ شامل نہیں کیا گیا''۔[7] حوالہ تو اس وقت درج کیا جاتا جب یہ تقسیم ڈاکٹر عبدالوہاب سوری صاحب کے مضمون سے نقل کی گئی ہوتی۔ اگر توارد اور سرقے میں فرق ملحوظ رہے تو یہ مغالطہ پیش نہیں آ سکتا۔ حافظ صاحب کی نشان دہی کے بعد راقم نے ڈاکٹر سوری کا مقالہ پڑھا۔ راقم کے لیے یہ امر انتہائی مسرت وابتہاج کا باعث ہے کہ پاکستان کی سب سے بڑے سیکولر علمی ادارے کے شعبہ فلسفہ کے سابق رئیس اور مغربی افکار واقدار پر گہری اور بصیرت افروز نظر رکھنے والے بالغ نظر محقق اور استاذ کا تجزیہ بھی وہی تھا جو ایک بوریہ نشین حقیر طالب العلم کا ہے۔[8] حافظ صاحب کی کرم فرمائی سے راقم کی ڈاکٹر سوری کے ایک انتہائی قیمتی مقالے تک رسائی ہوئی۔ اب راقم کے لیے یہ امر زیادہ موجب اطمینان وامتنان ہوگا کہ وہ امت مسلمہ کی بہ یک وقت چار ادوار میں تقسیم کو بہ جائے اپنے تجزیے کے ڈاکٹر سوری صاحب کی سند سے بیان کرے، اس سے بات زیادہ مؤکد اور مستحکم ہو جائے گی۔ اگر راقم کا یہ مضمون کہیں کتابی مجموعے میں شامل ہوا تو یہ تجزیہ، ان شاء اللہ، ڈاکٹر سوری کی سند پر بیان کیا جائے گا ـــــ اگر حافظ صاحب ڈاکٹر عبدالوہاب سوری کے فاضلانہ مقالے کی روشنی میں اپنے مضمون کا از سر نو جائزہ لیں تو ان کے بہت سے واہمے دور ہو جائیں گے۔

حافظ صاحب فرماتے ہیں: ''کیا بیک وقت چار ادوار میں زندہ رہنا صرف مسلمانوں کا مسئلہ ہے؟''[9] ـــــ ''صرف'' مسلمانوں کا مسئلہ ہو یا نہ ہو، مسلمانوں کے لیے مسئلہ ضرور ہے۔ مسلمان روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے آخری دین اور اس کی بنیاد پر اس مذہب، معاشرے اور تہذیب کے علم بردار ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما کر اس کی تکمیل کا اعلان فرمایا۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام کے حامل اور عالم گیر دین کے داعی ہیں۔ یہ بات اس دین اور اس کے زیر اثر پروان چڑھنے والی تہذیب ومعاشرت میں بہ طور جوہر داخل ہے کہ یہ زمانے کی اتباع سے عبارت نہیں بلکہ زمانے کو بدل کر اپنے ساتھ چلا دینے کا خوگر ہے ـــــ

اسلام اور امت مسلمہ کے مقابل حافظ صاحب نے جن تہذیبوں کے نشان دہی فرمائی ہے وہ بہ طور دین کسی آخری پیغام کی حامل ہیں اور نہ وہ اپنے اطلاق ونفاذ کے لیے کسی حاکیت وریاست کی طالب ہیں۔ جب کہ اسلام شریعت کی تکمیل اور تنفیذ کے لیے لازماً ریاست کا طالب ہے۔

ہندی، چینی وجاپانی تہذیبیں: نظام سرمایہ داری کے ہاتھوں مفتوح:

ہندوستانی، چینی اور جاپانی اقوام وتہذیبیں اپنے علامتی وجود کے باوصف مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کا ایک حصہ بن چکی ہیں۔ ان تہذیبوں کے پیروکاروں کی عملی زندگی میں ان کے داعیان کے تعلیمات مذہبی اعمال اور رسومات کی حد تک تو باقی ہیں لیکن معاشرتی، سیاسی، سماجی، عمرانی اور معاشی زندگی سے ان کی تعلیمات ناپید ہوچکی ہیں ـــــ تنویری علیت [Enlightened Epistemology] نے اسلام کے سوا دنیا کے ہر مذہب کو علمیاتی بنیادوں پر اکھاڑ پھینکا۔ عیسائیت نوفلاطونیت [Neo-Platonism]، کانٹ کے ریشنلزم [Rationalism] اور ہیوم کی تجربیت [Empiricism] کا شکار ہوگئی۔ بدھ علیت، چینی روایات اور رومی قدامت پرستی کسی کو ہیگل اور مارکس کے تصورات [Dialectical Idealism, Historical Materialism] نے مسخر کرلیا قدیم ہندو اور یہودی فکر کو نیطشے اور دیگر وجودی مفکرین [Existentialism] کے فلسفے نے برباد کرڈالا۔ وہ قوم پرستی اور سوشل ڈیموکریسی کا شکار ہوگئیں۔[10]

حافظ صاحب نے چین کی مثال خصوصیت کے ساتھ پیش فرمائی ہے۔ عہد حاضر میں اشتراکی ملک ہونے کے باوجود چین کی وابستگی عملاً سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ ہے۔[11] سرمایہ دارانہ نظم کو اختیار کرلینے کے بعد ہی چین نے محیر العقول مادی ترقی ممکن ہوسکی ہے۔ اس ترقی میں عملاً ریاست دخیل نہیں ہے۔[12]

مسلمان: مغربی تہذیب وافکار سے تاثر: ایک تجزیہ:

جہاں تک مسلمانوں کا معاملہ ہے تو حافظ صاحب نے خود ارشاد فرمادیا کہ مسلمانوں کا معاشرتی ڈھانچہ دین کی بدولت ''پوری طرح'' جاہلیت جدیدہ کا شکار نہیں ہوا۔[13] گویا ''جاہلیت جدیدہ'' سے ''جزوی'' تاثر قبول کرلینے کو حافظ صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہی جزوی تاثر آگے چل کر کلی تبدیلی وتغیر میں ڈھل جاتا ہے۔ مغرب کو بھی یہاں تک پہنچتے، خدا کی موت کا اعلان کرتے اور انسان کو حاکم مطلق گردانتے ۳۰۰ سال کا عرصہ لگا۔ تبدیلی کا عمل نجماً نجماً اور جزواً جزواً ہی ہوتا ہے جس کے باعث معاشروں میں پیدا ہونے والی تبدیلی اور مذہب پر رونما ہونے والے تغیر کا احساس نہیں ہوتا ـــــ مسلمان کس حد تک اس تغیر کا شکار ہوچکے ہیں۔ اس سلسلے میں جنوبی ایشیا کی تاریخ کے ماہر محقق و مستشرق فرانسس روبنسن کا ایک اقتباس سابقہ مضمون سے دوبارہ پڑھنا ناگزیر ہے:

For the hundered years Preceding the Muslim revival of the late twentieth century, the Islamic World seemed to be following a path of secularization similar to that on which the Western Christian

world embarked some centuries before. Law derived from revelation had been increasingly removed from public life; religious knowledge had steadily lost ground in education; more and more Muslims who were Islamic by Culture but made 'rational' calculations about their lives -- in much the same way as Christians formed in the secular West might to do -- had come forward.[۱۴]

مسلمان: تین طبقات کی حتمی تقسیم: ایک الزام:

راقم نے عصر حاضر میں مادی ترقی کی بحث میں حصہ لینے والے اہل قلم کو تقریب سخن کے لیے تین طبقات میں تقسیم کرتے ہوئے لکھا تھا:

''زوال سے دوبارہ کمال کی بازیافت کے لیے حکمت عملی اور لائحہ عمل کے حوالے سے مسلم اہل فکر وقلم بالعموم تین نقاط نظر کے حامی معلوم ہوتے ہیں''۔[۱۵]

یہ عبارات بتارہی ہیں کہ یہ تقسیم حتمی نہیں ہے اس میں اضافہ اور کمی ممکن ہے ـــــ لیکن حافظ صاحب نے عاجلانہ نتائج تک جست لگاتے ہوئے راقم کے ذمے وہ بات لگادی جو کہی ہی نہیں گئی۔ حافظ صاحب لکھتے ہیں:

''جب ہم کسی شے کی زمرہ بندی کرتے ہیں اور اس کو ایسے بیان کرتے ہیں کہ جو ہے یہی ہے تو اس سے کئی مسائل جنم لیتے ہیں''۔[۱۶]

راقم کی کسی ایک عبارت سے بھی ایسا مترشح نہیں ہوتا کہ راقم کی پیش کردہ ''زمرہ بندی'' حتمی، قطعی، یقینی اور ناقابل نظر ثانی ہے ـــــ تنقید کے وقت اس بات کا تو خیال رکھنا چاہیے کہ مخاطب پر اس ''جرم'' کے ارتکاب کی ''سزا'' جاری نہ کی جائے جو اس نے کیا ہی نہیں۔

مادی ترقی: اہل سنت وجماعت کا نقطہ نظر:

حافظ صاحب کا خیال ہے کہ ''مغرب سے نبرد آزما ہونے کا واحد راستہ مغرب سے کلیۃً بے اعتنا ہو جانا ہے''[۱۷] ـــــ کفر اور جاہلیت سے بچنے اور محفوظ رہنے کے لیے اس کی اصلیت اور حقیقت سے واقفیت خود دین کی رو سے کس قدر ضروری ہے، یہ ایک الگ بحث ہے۔ تاہم حافظ صاحب کی مغرب سے کلیۃً بے اعتنائی کی بات اسی وقت ٹھیک ہوگی جب کل امت مغربی افکار واقدار کی اتباع وتقلید اور اس کی Islamization کو ترک کر کے بے اعتنائی اختیار کرے۔ صرف چند ایک طبقات کی جزوی بے اعتنائی اسے امت کا اجماعی عمل نہیں بننے دیتی۔ حافظ صاحب نے اس زمرے بندی میں تبلیغی جماعت کے عدم ذکر پر بھی شکوہ فرمایا ہے ـــــ بلاشبہ تبلیغی جماعت بہت سارے معاملات میں سے کچھ کی جانب ہماری رہ نمائی کرتی ہے جو قابل ستائش اور لائق تقلید ہونے کے باوجود کلی رہ نمائی نہیں ہے۔ جہاں تک حضرات علمائے دیوبند، علمائے بریلوی اور علمائے اہل حدیث کا تعلق ہے تو یہ تینوں طبقات فکر علمی اور فکری طور پر منہج اہل سنت سے وابستہ ہیں۔ اصولی ونظری سطح پر یہ تینوں مکاتیب مغرب کے ساتھ خذ ماصفا ودع ماکدر کے

اصول کا اطلاق نہیں کر سکتے کیوں کہ اسلام اور مغرب میں وجودیاتی، علمیاتی اور مابعد الطبیعیاتی سطح کا اختلاف ہے ــــ امت کا سواد اعظم اہل سنت و جماعت ہی ہے جس کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔[۱۸]

صرف مغربی زبان کی تحصیل مادی ترقی کی کلید نہیں:

چوتھے نکتے میں حافظ صاحب نے زبان کے حوالے سے راقم کی اس عبارت پر اعتراض فرمایا ہے:

''مادی ترقی کے حصول کے لیے صرف مغربی زبان اور سائنسی علوم وفنون کی تحصیل وتعلیم کافی نہیں ہے۔ زبان تو علوم کے ابلاغ، اظہار وتفہیم کا محض ایک ذریعہ ہے۔ وہ فکری سرمایہ اور خرد افروزی امر دیگر ہے جو مادی ترقی کا لازمہ ہے۔[۱۹]

حافظ صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ زبان محض ابلاغ کا ذریعہ نہیں ہوتی بلکہ وہ کسی تہذیب کی نفسیات، جمالیات اور احساسات کی بھی عکاس ہوتی ہے۔ حافظ صاحب کا بیان راقم کے مؤقف کی تغلیط نہیں، اس پر استدراک واضافہ ہے۔ زبان کی تحصیل بالعموم علوم عقلیہ کے حصول کے لیے کی جاتی ہے [اسلامی معاشروں میں عربی وفارسی زبان کی تحصیل اس سے مستثنیٰ ہے]، گھروں میں گفتگو کے لیے یہ زبانیں نہیں سیکھی جاتیں۔ یہ عہد حاضر کا جبر ہے کہ مغربی علوم اور اس کے زیر اثر مادی ترقی محض زبان کے سیکھنے پر منحصر نہیں ہے ــــ اس کے لیے مغرب کے تین بنیادی عقائد آزادی [freedom]، مساوات [equality] اور ترقی [progress] پر ایمان اور اس کے مطابق اعمال بجالانے لازم ہیں۔ ان تین عقائد پر ایمان اور عمل کے بغیر محض مغربی زبان پر عبور مادی ترقی کے لیے نافع نہیں ہوسکتی۔

زبان کی جمالیات اور احساسات کا انعکاس: ایک غلط مثال کا انتخاب:

حافظ صاحب نے ''زبان'' کے مسئلے پر اپنے بیان کو مؤکد بنانے کے لیے ہائیڈگر کا حوالہ پیش فرمایا ہے، قطع نظر اس کے کہ یہ حوالہ معلومات میں اضافے کا سبب بن سکا یا نہیں اور اس پر کس قدر اضافے اور بحث کی گنجائش موجود ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خود حافظ صاحب پر اس بیان کی تفہیم پوری طرح نہ ہوسکی۔ موصوف نے اس بحث کی تسہیل کی جو مثال دی ہے وہ بہت عجیب ہے۔ حافظ صاحب لکھتے ہیں:

''اردو میں مخاطب حاضر کے کئی صیغے ہیں، احترام کے رشتوں میں ''آپ'' کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے، بے تکلف احباب کو ''تم'' یا ''تو'' کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے، جب کہ انگریزی میں مخاطب کرنے کے لیے صرف ایک ہی لفظ "You" ہے۔ تو کیا جب انگریز اپنے والد اور احباب کو "You" کہہ کر مخاطب کرتا ہوگا تو ان کی نفسیاتی کیفیت ایک جیسی ہوتی ہوگی؟ کیا یہ دونوں زبانیں بولنے والے اپنے بڑوں کا ایک جیسا احترام کرتے ہوں گے؟''۔[۲۰]

محض لفظ "You" کی مثال سے کسی تہذیب میں فرق مراتب اور ادب آداب کو جانچنے کا حتمی معیار قرار دینے کا یہ رویہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ حافظ صاحب کا یہ سارا بیان لسانیاتی فلسفے سے عدم واقفیت کا غماز ہے۔[۲۱] ــــ اس سلسلے میں مغربی فلاسفہ کے اقوال سے استناد کی بجائے اگر قرآن مجید ہی سے فیصلہ لے لیا جائے تو سب سے بہتر

ہوگا۔عربی زبان کی تفہیم کے لیےلغت عرب میں قرآن مجید سے برتر ومحکم کتاب کوئی اورنہیں ہے۔قرآن حکیم ہی سے ایک ہی صیغے سے دومتضادشخصیات سے تخاطب کی مثال دیکھیے،قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوخطاب کرتے ہوئے ارشادفرمایا:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ [۶۸:۴]

اوراسی قرآن پاک میں ابلیس کوخطاب کرتے ہوئے کہا:

فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّکَ رَجِیۡمٌ [۱۵:۳۴]

اگرکوئی مستشرق پلٹ کر حافظ صاحب والا سوال جزوی تبدیلی کے ساتھ یوں داغ دے کہ جب ایک مسلمان مخاطبت کے لیےایک ہی صیغے[انک] کورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اورابلیس رجیم دونوں کے لیے پڑھتاہوگا تو کیا یہاں بھی وہی مسئلہ نہیں پیش آسکتا جو"You" کہہ کرکبھی اس سے باپ اورکبھی بےتکلف دوست مراد لینے والوں کوپیش آتا ہوگا؟ الزامی جواب سے ہٹ خودیہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اردو میں ہمیشہ احترام کے رشتوں میں ’’آپ‘‘ ہی کہا جائے۔ اردو بولنے والےمسلمان بالعموم اپنی مناجات اور دعاؤں میں اپنے رب کو’’تو‘‘ کہہ کرمخاطب کرتے ہیں۔ ماں باپ سےمحبت کے اظہار میں بھی’’تو‘‘ کالفظ عام مستعمل ہے،اقبال کااپنی والدۂ مرحومہ کی یاد میں مشہور شعر ہے:

عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا، تو چل بسی

مضمون کے اختتام میں’’ایک گزارش‘‘ کےعنوان سے حافظ صاحب نے جس تندی اورعتاب کا اظہار فرمایا ہے، چوں کہ عصر حاضر میں یہی اسلوب گفتگواورانداز تحریر مروج ہےلہٰذا راقم اس سلسلے میں حافظ صاحب کوایک حدتک معذور خیال کرتا ہے —— لیکن ایک بات حیران کن ہےاوروہ یہ کہ حافظ صاحب نے راقم کےمضمون پرسکوت اختیار کرنے کے حوالے سے جواعتراض وارد کیا اورنصیحت فرمائی تھی کہ:’’اگر ہم خاموش ہوجائیں توکئی آوازوں سے زیادہ مؤثر ہوجائیں‘‘،[۲۲] قطع نظراس سے کہ یہ اعتراض صحیح بھی ہے یانہیں، حافظ صاحب نے راقم کےمضمون کی تردید کے لیے وہی طریق اختیارکیا جوطریق خودان کی نظر میں قابل اعتراض ہے —— حافظ صاحب کے بہ قول یہ تحریریں عصر حاضر میں لوگوں کے ذہنوں کومفلوج بنانے میں مغرب کے ساتھ برابر کی شریک ہیں۔[۲۳] راقم کی تحریر سے کسی کا ذہن ملفوج ہواہوتو ہواہو، حافظ صاحب نے خود اپنی ہی نصیحت کے برعکس سکوت اختیار نہ کرکےملفوج لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہی فرمایاہوگانہ کہ کمی۔

آخر میں ایک سوال یہ ہے کہ پاکستان کے جرائد میں راقم کاان موضوعات کےحوالے سےشاید یہ پہلامضمون ہے۔ اس کے باوجود راقم پر یہ تہمت’’کہ اس طرح تابڑتوڑلکھنابہ ذات خود جدیدیت کی علامت ہے‘‘ حیران کن ہے۔

حواشی

۱- محمد ظفر اقبال،''مادّی ترقی کا لازمہ ــــ واہمہ یا حقیقت؟''مشمولہ ماہنامہ الشریعہ، مئی ۲۰۱۴ء، صفحات ۳۵-۴۶۔

۲- حافظ کاظم عثمان،''مادّی ترقی اور شناخت کا بحران''، مشمولہ ماہنامہ الشریعہ، اگست ۲۰۱۴ء، صفحات ۳۷-۴۱۔

۳- ایضاً، صفحہ ۳۷۔

۴- محمد ظفر اقبال،''مادّی ترقی کا لازمہ ــــ واہمہ یا حقیقت؟''، صفحہ ۳۵۔

۵- حافظ کاظم عثمان،''مادّی ترقی اور شناخت کا بحران''، صفحہ ۳۸۔

۶- ایضاً۔

7- Abdul Wahab Suri, "What is Living and What is Dead in Iqbal: A Critical Attempt to Understand Apparently Incommensurable Hermeneutical Circles Prevailing in Iqbal's Thought" in *Revisioning Iqbal As a Poet and Muslim Political Thinker,* [Gita Dharampal-Frick, Ali Usman Qasmi and Katia Rostetter, eds.], Pakistan: Oxford, 2011.

۸- محمد ظفر اقبال،''مادّی ترقی کا لازمہ ــــ واہمہ یا حقیقت؟''، صفحہ ۳۵۔

۹- حافظ کاظم عثمان،''مادّی ترقی اور شناخت کا بحران''، صفحہ ۳۸۔

۱۰- ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری،''عالم اسلام اور مغرب کی کش مکش: نئے تناظر میں نئی تحریکوں کے کام میں تطبیق کی ضرورت''، مشمولہ سرمایہ دارانہ نظام: ایک تنقیدی جائزہ، [مرتب: محمد احمد حافظ]، کراچی: الغزالی پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، صفحہ ۲۲۷۔

۱۱- یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اشتراکیت بھی سرمایہ داری ہی کی ایک شکل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اشتراکیت کی سرمایہ داری پر تنقید سرمائے کے انفرادی ارتکاز پر ہے اور اشتراکیت سرمایہ داری کی اجتماعی اداراتی صف بندی سے عبارت ہے۔ فی الاصل انفرادی سرمایہ داری [لبرل] اور اجتماعی سرمایہ داری [اشتراکیت] میں کوئی اقداری فرق اور تضاد نہیں۔ آزادی [freedom]، مساوات [equality] اور الوہیت سرمایہ پر ایمان لبرل سرمایہ داری اور اشتراکی سرمایہ داری کی اساسی اقدار ہیں۔ لبرل سرمایہ داری جن امور کو فرد [individual] کے لیے روا رکھتی ہے اشتراکی سرمایہ داری ان ہی اقدار کو اجتماعیت [collectivity] کے لیے جائز قرار دیتی ہے۔

12- Jared Diamond, "China, Lurching Giant" in *Collapse: How Societies Choose to Fail or Succeed,* New York: Viking, 2005, pp. 358-377.

۱۳- حافظ کاظم عثمان،''مادّی ترقی اور شناخت کا بحران''، صفحہ ۳۹۔

14-Francis Robinson, "Secularization, Weber and Islam", in *Islam and Muslim History in South Asia,* Delhi: Oxford University Press, 2010, p. 122.

۱۵- محمد ظفر اقبال، ''مادّی ترقی کا لازمہ ــــ واہمہ یا حقیقت؟''، صفحہ ۳۶۔

۱۶- حافظ کاظم عثمان، ''مادّی ترقی اور شناخت کا بحران''، صفحہ ۳۹۔

۱۷- ایضاً۔

۱۸- راقم نے عالم اسلام میں گزشتہ دو سو سال سے جاری ''سائنس زدگی'' اور ''سائنسی اعتزال'' کے مظاہر اور امت مسلمہ میں زوال کے تجزیوں کے ضمن میں لکھی گئی تالیفات کا ایک تاریخی جائزہ بہ عنوان ''علوم عقلیہ اور زوال امت'' مرتب کیا ہے۔ یہ لوازمہ ابھی زیر تسوید ہے۔ ان شاء اللہ جلد اشاعت پذیر ہوگا۔

۱۹- محمد ظفر اقبال، ''مادّی ترقی کا لازمہ ــــ واہمہ یا حقیقت؟''، صفحہ ۳۷۔

۲۰- حافظ کاظم عثمان، ''مادّی ترقی اور شناخت کا بحران''، صفحہ ۳۹۔

۲۱- اس سلسلے میں رہ نمائی کے لیے دیکھیے:

Barry Lee [eds.], *Philosophy of Language: The Key Thinkers,* New York: Continuum International Group, 2011.

۲۲- حافظ کاظم عثمان، ''مادّی ترقی اور شناخت کا بحران''، صفحہ ۴۱۔

۲۳- ایضاً۔

''تبلیغ میں الاہم فالاہم پر توجہ ضروری ہے۔ مسائل اختلافیہ کی بنا پر مخالف پارٹی کے لوگ پروپیگنڈہ شروع کر کے عوام کو بدظن بنا دیتے ہیں۔ پھر امور متفقہ علیہا پر بھی موثر تبلیغ نہیں ہو سکتی۔ اس لیے نمازی بنانا اور اصول وعقائد اسلام واہل سنت کو سمجھانا اولاً وبالذات ضروری ہے۔ شرک سے نفرت دلاتے وقت عبادت اصنام واحجار واشجار وحیوانات وغیرہ کو جو کہ ہنود اور دیگر کفار کرتے ہیں اور جن میں ابنائے وطن غیر مسلم مبتلا ہیں، ان کو ذکر کیا جائے اور اس سے قوم کو سمجھایا جائے۔ اس مقام پر قبور، تعزیہ وغیرہ کو صراحتاً نہ ذکر کیا جائے۔ جب نفرت عبادت غیر اللہ ان کے قلوب میں خوب راسخ ہو جائے اور وہ مانوس ہو جائیں، اعمال مفترضہ کے عادی ہو جائیں، تب ان کو آہستہ آہستہ شرور حالیہ سے بھی آگاہ کیا جائے۔'' (ملفوظات حضرت مدنی، مرتبہ ابوالحسن بارہ بنکوی، ص ۲۷)